عبد الرشید عراقی

قسط نمبر 2

پروفیسر عنایت اللہ سوہدرویؒ اور علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ سے ایک یادگار ملاقات

مولانا سید سلمان ندوی کے بارے میں حکیم عنایت اللہ نسیم نے فرمایا کہ:

مولانا سید سلمان ندوی جیسا جید عالم دین' محقق اور مورخ برصغیر میں پیدا نہیں ہوا۔ آپ علوم اسلامیہ کا ایک سمندر تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر وسیع نظر تھی۔ ان کے علمی' مذہبی' دینی' تنقیدی' ادبی' تاریخی اور شعری مقالات معارف اعظم گڑھ میں پڑھ کر ان کے علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کی تصانیف میں سیرت النبی ﷺ' سیرت عائشہؓ' خطبات مدارس' عربوں کی جہاز رانی ان کا علمی شاہکار ہیں۔ مجھے ان کی کتاب خطبات مدراس جو سیرت نبی ﷺ پر خطبات ہیں بہت متاثر کیا ہے۔ میری ان سے پہلی ملاقات علی گڑھ میں ہوئی تھی۔ سید صاحب مولانا سلمان اشرف صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ہاں قیام کرتے تھے۔ بہت شریف' اہل علم اور ملنسار تھے۔ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔

حکیم صاحب نے فرمایا میں نے سید صاحب سے سوال کیا کہ آپ نے معارف میں غلام احمد پر کئی تصانیف شائع کئے ہیں اور پروفیسر صاحب آج کل طلوع اسلام میں حدیث کے خلاف زہر اگل رہے ہیں اور حدیث کے متعلق جو وہ اعتراضات کر رہے ہیں۔ علمائے حق کی طرف سے ان کا مثبت جواب نہیں رہا۔ اس پر سید صاحب نے فرمایا:

پہلی بات تو یہ ہے کہ غلام احمد پرویز کے شروع میں اس طرح کے خیالات نہیں تھے۔ جیسے خیالات ان کے آج ہیں۔ میں جس زمانہ میں معارف میں ان کے مضامین شائع کئے۔ ان دنوں ان کا ذہن مثبت انداز کا تھا اور بعد میں جب ان کے مضامین طلوع اسلام میں میری نظر سے گزرے میں نے محسوس کیا کہ

اب ان کا ذہن منفی راستہ اختیار کر رہا ہے اور ساتھ ہی ان کے ایک دو مضامین معارف میں شائع ہونے کے لئے میرے پاس پہنچے تو میں نے جب مضمون پڑھے تو مجھے معلوم ہوا کہ پرویز صاحب نے منفی راستہ اختیار کر لیا ہے اور میں نے مضامین انہیں واپس کر دیئے اور انہیں لکھا کہ :

اب آپ کے مضامین کے لئے معارف میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

باقی رہا پرویز صاحب کے مضامین کا علمائے حق کی طرف سے جواب' تو اس کے متعلق سید صاحب نے فرمایا : معارف میں حدیث کی مدافعت میں میرے ایک دو مضامین شائع ہوئے ہیں اور بعض علمی و دینی رسائل و اخبارات میں بھی جواب شائع ہو رہے ہیں۔ ہمارے ہاں دارالمصنفین میں رسائل و اخبارات آئے ہیں۔ ان میں کئی ایک رسائل پرویز صاحب کی تصانیف کے جواب دے رہے ہیں۔

اس کے بعد دو بار اور بھی سید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ایک بار علی گڑھ میں اور دوسری بار دہلی میں۔ قیام پاکستان کے بعد سید صاحب سے ملاقات لاہور میں ہوئی۔ آپ نے شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی کے قومی دواخانہ کا افتتاح کیا تھا۔ جس میں قرشی صاحب نے مجھے بھی مدعو کیا تھا۔ جب ملاقات ہوئی تو فورا پہچان لیا اور فرمایا علی گڑھ اور دہلی میں ملاقات ہوئی تھی۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے بارے میں حکیم عنایت اللہ نسیم نے فرمایا کہ مولانا سید داؤد غزنوی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ خاندان غزنویہ اور امرتسر کے چشم و چراغ تھے۔ کانگرس' مکتبہ العلماء' خلافت' مجلس احرار اور مسلم لیگ سے جزوی و کلی طور پر ان کا کچھ نہ کچھ تعلق رہا ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد سے ان کا تعلق خاص تھا اور مولانا اس خاندان کی علمی خدمات کے بڑے معترف تھے۔ مولانا سید داؤد غزنوی جب کانگرس سے علیحدہ ہو کر مسلم لیگ سے وابستہ ہوئے تو کانگرسی لیڈروں نے مولانا ابو الکلام آزاد سے شکوہ کیا تھا کہ آپ

کے مولانا داؤد غزنوی کانگرس سے علیحدہ ہو کر مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ تو اس پر مولانا ابو الکلام خاموش رہے۔

مولانا ظفر علی خان نے کئی اشعار مولانا داؤد غزنوی کے بارے میں ارشاد فرمائے۔ ایک بار فرمایا۔

قائم ہے ان سے ملت بیضا کی آبرو
اسلام کا وقار ہیں داؤد غزنوی
رجعت پسند ان کو دیکھ کر یہ کہنے لگے
آیا ہے سومنات میں محمود غزنوی

ایک دفعہ مولانا ظفر علی خاں نے فرمایا۔

اک طرف ہیں غزنوی اور اک طرف ابراہیم برق
ہے یہ جوڑا گاندھی ہی نہیں دونوں میں فرق

حکیم صاحب نے فرمایا: میرا مولانا سید داؤد غزنوی سے تعلق قیام پاکستان کے بعد ہوا۔ بہت دفعہ ان سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ملکی حالات پر تبصرہ ہوتا تھا اور اس کے علاوہ جماعت اہلحدیث کے متعلق بھی گفتگو ہوئی تھی۔

مولانا محمد اسماعیل السلفی کے بارے میں حکیم صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد اسماعیل کا نام قیام پاکستان سے پہلے سنا ہوا تھا اور قیام پاکستان سے قبل ایک دو بار سوہدرہ میں ان کی تقریر سن چکا تھا۔ مولانا محمد اسماعیل کا مطالعہ شروع سے ہی بہت وسیع تھا۔ اس کا اندازہ ان کی تقاریر سے ہوتا تھا او اس کے علاوہ ان کے مضامین اخبار اہلحدیث امرتسر میں پڑھتا تھا۔ جس سے ان کی علمی بصیرت کا اندازہ ہوتا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد میں سوہدرہ آ گیا اور گوجرانوالہ میں دو چار دفعہ ان کا خطبہ جمعہ سننے کا اتفاق ہوا اور ان سے تعارف ہوا اور جب گوجرانوالہ میں جماعت اسلامی کے ایک شفاخانہ کا انچارج ہوا تو مولانا محمد اسماعیل سے ہر شام ان

کی مسجد واقع چوک نیائیں نماز مغرب پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی اور بعد نماز مغرب ملکی مسائل پر ان سے تبادلہ خیال ہوتا۔ کبھی کبھی عالمی سیاست بھی زیر بحث آتی۔ میں نے مولانا محمد اسماعیل جیسا زیرک' سمجھدار اور ذہین آدمی نہیں دیکھا۔ برصغیر کی تمام قومی' ملی و سیاسی تحریکات سے مکمل واقف تھے۔ ان کی تقریر اور خطبہ جمعہ علمی و سیاسی معلومات کا خزانہ ہوتا تھا۔

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کے بارے میں حکیم عنایت اللہ نسیم نے اپنے تاثرات اس طرح بیان کئے کہ مولانا عطاء اللہ حنیف سے بذریعہ اخبار شناسائی تھی لیکن ملاقات نہیں تھی۔ مولوی علم الدین کو ملنے سوہدرہ تشریف لائے تو مولوی علم الدین مرحوم مولانا عطاء اللہ کو لے کر دکان پر آگئے تو مولانا عطاء اللہ سے تعارف ہوا اور یہ تعارف بعد میں دوستی کی شکل اختیار کر گیا۔

اس کے بعد جب بھی سوہدرہ تشریف لائے رات کا قیام کرتے اور رات گئے تک ان سے گفتگو ہوتی۔ مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا ظفر علی خاں کی شخصیت ضرور زیر بحث آئی۔ (مولانا عطاء اللہ حنیف اور پروفیسر عنایت اللہ نسیم دونوں ان شخصیتوں کے مداح تھے)

حکیم صاحب نے فرمایا کہ مولانا عطاء اللہ حنیف کے مضامین االاعتصام میں پڑھ کر ان کے علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے اور ان مضامین کے علاوہ مولانا عطاء اللہ نے جو علمی حواشی حیات امام احمد بن حنبل' حیات امام ابو حنیفہ اور حیات امام ابن تیمیہ پر لکھے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا عطاء اللہ حنیف کا مطالعہ بہت گہرا اور وسیع ہے۔ اس کے علاوہ مولانا عطاء اللہ حنیف نے اپنے علمی و دینی اور تحقیقی رسالہ رحیق میں جو اداریے لکھے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا عطاء اللہ ملکی سیاست سے نہ صرف باخبر ہیں بلکہ اپنی ایک ناقدانہ رائے بھی رکھتے ہیں۔ ان کے علمی تبحر نے مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کے بارے میں حکیم نسیم صاحب مرحوم نے

اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ :

مولانا ثناء اللہ مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ اللہ تعالیٰ ان میں بہت سی خوبیاں جمع کر رکھی تھیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری مفسر بھی تھے، متکلم بھی، مصنف بھی تھے اور مورخ بھی، نقاد بھی تھے اور دانشور بھی، صحافی بھی تھے اور سیاستدان بھی اور فن مناظرہ کے تو امام تھے۔

قادیانیت کی تردید میں برصغیر میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ظفر علی خان اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں یہ ان کی آخرت کی نجات کے لئے کافی ہیں۔ میں ان جیسا وسیع المعلومات، وسیع النظر، وسیع المطالعہ اور فعال عالم اہلحدیث جماعت میں نہیں دیکھا۔ ان کی تفسیر ثنائی ایک عمدہ اور علمی تفسیر ہے۔ سرسید احمد خان مرحوم نے جو قومی، ملی خدمات سرانجام دیں ہیں۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اپنی تفسیر ثنائی میں سرسید کو آڑے ہاتھوں لیا ہے اور ان کے خیالات کی دلائل سے تردید کی ہے۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم سے کئی ایک ملاقاتیں دہلی، علی گڑھ اور سوہدرہ میں ہوئیں۔ ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی کے زیر اہتمام یونیورسٹی میں ایک علمی مذاکرہ "ادیان کی صداقت" کے موضوع پر ہونا قرار پایا۔ جس میں یہودی، عیسائی، ہندو اور مسلمان زعماء کو دعوت دی گئی کہ وہ ایک گھنٹہ تقریر کرکے اپنے مذہب کی صداقت بیان کریں۔ مسلمانوں کی طرف سے مولانا ثناء اللہ مرحوم نمائندہ تھے۔ یہ جلسہ پروفیسر حبیب صدر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے فرمایا۔ میں سب کے بعد تقریر کروں گا اور صرف پندرہ منٹ میری تقریر ہو گی اور میری تقریر کے ۴۵ منٹ تینوں مقررین یہودی، عیسائی اور ہندو کو دے دیئے جائیں۔ یعنی ہر مقرر تقریر سوا گھنٹہ کرے گا۔ چنانچہ تینوں مقررین نے سوا سوا گھنٹہ تقریر کی اور

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے آخر میں پندرہ منٹ تقریر کی اور اس پندرہ منٹ کی تقریر میں اسلام کی صداقت ایسے مدلل دلائل سے بیان کی کہ مخالف مقررین نے بھی اس کا اعتراف کیا کہ ہمارے سب کے دلائل مولانا ثناء اللہ مرحوم کے دلائل کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔

ایک دوسری ملاقات کا حکیم صاحب مرحوم نے ذکر کیا ہے کہ:

۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء کو مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کا ایک مناظرہ ایک قادیانی مبلغ پروفیسر سلیم سے وزیر آباد میں ہوا۔ میں حسن اتفاق سے بلند شہر سے سوہدرہ آیا ہوا تھا اور مناظرہ سننے وزیر آباد گیا۔ مناظرہ صداقت مرزا کے موضوع پر تھا۔ قادیانی مناظر نے اپنے دفاع کی بہت کوشش کی مگر وہ مولانا ثناء اللہ مرحوم کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ آخر مناظرہ کا رخ اشتہار مرزا کی طرف پھیر دیا گیا۔ تو مولانا ثناء اللہ مرحوم نے فرمایا:

مسیح موعود کی مدت قیام ۴۰ سال مرزا صاحب بتلاتے ہیں مگر خود ۱۸ سال بعد اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ لہٰذا مرزا صاحب اپنے دعوی کے مطابق جھوٹے ٹھہرے۔ مولانا مرحوم کی ضرب اتنی سخت تھی کہ قادیانی بوکھلا گیا۔ اثنائے مناظرہ میں مولانا حسب معمول اشعار بھی چست کرتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے یہ شعر پڑھا۔

عجب مزا ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں کہ چپ رہو خدا کے لئے

اس پر قادیانیوں نے اودھم مچا دیا کہ یہ شعر مناسب نہیں۔

حکیم صاحب نے فرمایا کہ:

اس موقع پر کسی شخص نے کہا کہ مولانا ظفر علی خاں کرم آباد آئے ہوئے ہیں ان سے فیصلہ کرا لیا جائے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم نے مجھے اسٹیج پر بلایا اور فرمایا کہ کرم آباد جاؤ اور مولانا ظفر علی خاں سے کہنا کہ ثناء اللہ

نے یاد کیا ہے۔

چنانچہ میں تانگہ لے کر کرم آباد مولانا ظفر علی خاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور مولانا ثناء اللہ مرحوم کا پیغام دیا۔ مولانا ظفر علی خاں اسی وقت تیار ہو کر وزیر آباد پہنچ گئے۔ مولانا ظفر علی خاں جب اسٹیج پر تشریف لے گئے تو مولانا ثناء اللہ مرحوم نے فرمایا۔ آپ کو اس لئے زحمت دی ہے کہ مناظرہ کا موضوع " صداقت مرزا" تھا۔ مگر اس کا رخ اشتہار مرزا کی طرف پھیر دیا گیا اور مناظرہ کے دوران یہ شعر پڑھا ہے۔

عجب مزا ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں کہ چپ رہو خدا کے لئے

یہ شعر سنانے کے بعد مولانا ثناء اللہ مرحوم نے سامعین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ :

ہندوستان کے مشہور ادیب اور دانشور اور محقق مولانا ظفر علی خاں اس شعر کا جو بھی فیصلہ کریں گے ہم دونوں فریق اس کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیں گے۔

چنانچہ مولانا ظفر علی خاں نے فرمایا :

اس شعر میں کوئی لفظ بھی فحش نہیں ہے۔ مطلب صرف اتنا ہے کہ مولانا ثناء اللہ قیامت کے روز فریاد کریں گے خداوند مرزا احمد قادیانی سے پوچھ کہ اس نے مسلمانوں میں اتنا تفرقہ کیوں پیدا کر دیا اور مرزا صاحب منتوں سے کہیں گے میاں چپ رہو دنیا میں مجھے تم نے بہت تنگ اور رسوا کیا اور اب قیامت کے روز بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہے۔ اس تشریح نے مجمع میں ایک سرور و ولولہ پیدا کر دیا۔

قادیانی مناظر چونکہ نوعمر تھا۔ اس لئے مولانا ثناء اللہ اس پہلو پر ایک شعر چست کئے بغیر نہ رہ سکے، فرمایا۔

کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن ان کا
دو جفاکاروں کے قبضہ میں ہے جوبن ان کا

پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم صاحب نے جب اپنے تاثرات ختم کئے تو علامہ احسان الٰہی ظہیر نے فرمایا:

حکیم صاحب! میں حیران ہوں کہ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود آپ کو واقعات من و عن یاد ہیں۔ تو میں نے کہا علامہ صاحب! یہ سب حافظہ پر منحصر ہے۔ حکیم صاحب کا حافظہ بہت قوی ہے۔ اس لئے ان کو سب واقعات زبانی یاد ہیں اور سب سے بڑی خوبی ان میں یہ ہے کہ مولانا ظفر علی خاں کا کلام ان کے پس منظر سے زبانی یاد ہے۔ جب بھی ان سے کسی سیاسی و ملی واقعہ کے بارے میں میں دریافت کرتا ہوں تو پہلے واقعہ کی تفصیل بتاتے ہیں اور اس کے فوراً بعد مولانا ظفر علی خاں کے اشعار سنا دیتے ہیں۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی باتیں

سب سے پہلے میں نے علامہ شہید سے کہا کہ میں نے آپ کو مولانا حمید الدین فراہی پر ایک مضمون ترجمان الحدیث میں اشاعت کے لئے بھیجا ہوا ہے۔ وہ ابھی تک شائع کیوں نہیں ہوا۔ تو علامہ صاحب نے فرمایا:

میں نے مضمون پڑھا ہے اچھا ہے لیکن اس لئے شائع نہیں کر سکا کہ مولانا حمید الدین فراہی کے نظریہ حدیث سے مجھے اتفاق نہیں۔ آپ نے شیخ الحدیث مولانا اسماعیل السلفی کی کتاب "جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث" پڑھی ہے۔ اس میں مولانا سلفی مرحوم نے ایسے علمائے کرام کے نام لکھے ہیں کہ یہ حضرات منکر حدیث تو نہیں لیکن ان کی تحریروں سے انکار حدیث کی بو آتی ہے اور مولانا حمید الدین فراہی بھی ان علمائے کرام کی فہرست میں شامل ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح علمائے اہل حدیث میں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السلفی اور مولانا عطاء اللہ حنیف

حدیث کے سلسلے میں معمولی سی مداہنت کے قائل نہیں تھے۔ اسی طرح میں بھی حدیث کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت برداشت نہیں کر سکتا۔

میں آپ کا مضمون ساتھ لانا بھول گیا ہوں۔ لاہور واپس جا کر واپس بھیج دوں گا۔ آپ مضمون مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف کو بھیج دیں۔ وہ المنبر میں شائع کر دیں گے۔ چنانچہ علامہ صاحب نے مضمون مجھے واپس بھیج دیا اور میں نے حکیم عبد الرحیم اشرف کو بھیج دیا اور انہوں نے مضمون المنبر میں شائع کر دیا۔

اس کے بعد میں نے علامہ صاحب سے برصغیر کے دینی مدارس اور ان کے نصاب کے بارے میں سوال کیا کہ بعض مدارس میں فقہ اور دوسرے علوم کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ حدیث کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے ؟ تو اس پر علامہ ظہیر نے ارشاد فرمایا :

جہاں تک برصغیر میں حنفی مدارس کا تعلق ہے۔ ان میں حدیث نہیں پڑھائی جاتی۔ بلکہ حدیث پر تنقید کی جاتی ہے۔ آپ کو صوفی عبد اللہ مرحوم (ماموں کانجن) کا واقعہ یاد ہو گا کہ ایک دفعہ وہ دیوبند تشریف لے گئے۔ وہاں مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری حدیث پڑھا رہے تھے۔ صوفی صاحب نے جب ان کی تقریر سنی تو فرمانے لگے۔

شاہ صاحب ! آپ حدیث پڑھا رہے ہیں یا حدیث پر تنقید کر رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن طالب علم صوفی صاحب کو مارنے پر تل گئے تو شاہ صاحب نے انہیں منع کر دیا اور فرمایا تم نہیں جانتے یہ شخص کون ہے میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں اس لئے خاموش رہو۔

اس کے بعد صوفی عبد اللہ صاحب نے ارادہ کیا کہ مجھے ایک دینی مدرسہ قائم کرنا چاہئے۔ جس میں قرآن و حدیث کی تعلیم دی جائے۔ چنانچہ صوفی مرحوم نے اس سلسلہ میں مولانا عبد العزیز رحیم آبادی صاحب حسن البیان سے مشورہ

کیا اور انہوں نے صوفی صاحب سے فرمایا! جتنی جلدی ہو سکے ایک دینی مدرسہ قائم کرو۔ چنانچہ صوفی عبد اللہ صاحب نے اوڈا نوالہ میں جامعہ تعلیم الاسلام کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم کی اور اس درسگاہ میں سینکڑوں علمائے کرام نے جنم لیا۔ جو اس وقت اسلام کی نشر و اشاعت اور قرآن و حدیث کی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔

باقی رہا معاملہ اہلحدیث مدارس کا۔ ان مدارس میں حدیث پڑھائی جاتی ہے۔ مگر جس طرح حدیث پڑھانے کا حق ہے اس طرف توجہ خاص نہیں دی جاتی۔

جامع تعلیم الاسلام اوڈانوالہ' جامع اسلامیہ گوجرانوالہ' تقویۃ الاسلام لاہور' جامعہ سلفیہ فیصل آباد' دارالعلوم بلتستان' جامعہ محمدیہ اوکاڑہ وغیرہ میں حدیث کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان مدارس میں جو اساتذہ کرام حدیث پڑھانے پر مامور ہیں۔ ایک تو انہیں حدیث اور تعلقات حدیث سے مکمل واقفیت ہے۔ ان کا مطالعہ وسیع ہے۔ اس لئے وہ صحیح طریقہ سے حدیث پڑھا سکتے ہیں اور پڑھاتے ہیں۔ باقی اہلحدیث مدارس کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔

میں نے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بارے میں دریافت کیا۔ تو علامہ صاحب نے فرمایا:

مولانا شبلی نعمانی' مولانا محمد علی مونگری' مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اچھے وقت میں ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی۔ ندوۃ العلماء کی خدمت سے انکار نہیں۔ اس مدرسہ نے برصغیر میں نامور علمائے کرام پیدا کئے۔ جنھوں نے جو علمی خدمات سرانجام دیں ہیں۔ اس سے برصغیر کا ہر پڑھا لکھا آدمی بخوبی واقف ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی' مولانا عبد السلام ندوی' مولانا ابو الحسن ندوی'

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی' مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی' اور مولانا محمد حنیف ندوی نے جو علمی' ادبی' تحقیقی' تاریخی اور مذہبی خدمات انجام دی ہیں۔ ان سے آپ بخوبی واقف ہیں۔

میں نے علامہ صاحب سے کہا کہ آپ نے دینی مدارس کے سلسلہ میں ان مدارس کا ذکر کیا ہے۔ جو قیام پاکستان کے بعد معرض وجود میں آئے ہیں۔ ایک مدرسہ صرف جامعہ تعلیم الاسلام اوڈا نوالہ ایک ایسا مدرسہ ہے جو پاکستان سے پہلے کا ہے اور قیام پاکستان سے قبل دہلی اور دوسروں شہروں میں اہلحدیث کے کافی مدارس تھے۔ ان کی تدریسی حالت کیسی تھی۔

اس پر علامہ شہید نے فرمایا:

دہلی میں سب سے اولین درسگاہ جس نے حدیث کی طرف خاص توجہ کی۔ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی جو حضرت شاہ عبد العزیز کے نواسے تھے۔ درس حدیث کی طرف خاص توجہ کی۔ ان کے مکہ مظمہ ہجرت کر جانے کے بعد ان کی مسند پر شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی فائز ہوئے اور انہوں نے دہلی میں ۶۱ سال تک حدیث کا درس دیا اور اس ۶۰ سالہ دور میں ایسے حضرات نے ان سے اکتساب فیض کیا جو بعد میں خود مسند حدیث کے وارث بنے۔ مثلا مولانا سید عبد اللہ غزنوی اور ان کے صاجزادگان عالی مقام مولانا عبد اللہ غزنوی' مولانا عبد الجبار غزنوی' مولانا عبد الواحد غزنوی' مولانا محمد غزنوی' مولانا احمد غزنوی' مولانا عبد الرحیم غزنوی اور پوتے مولانا عبد الاول غزنوی' مولانا عبد الغفور غزنوی اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی ان کے علاوہ مولانا حافظ محمد لکھوی' مولانا حافظ عبد المنان محدث وزیر آبادی' مولانا سید امیر احمد سہوانی' مولانا سید امیر حسن سہوانی' مولانا عبد العزیز رحیم آبادی' مولانا شاہ عین الحق پھلواروی' مولانا حافظ عبد اللہ غازی پوری' مولانا عبد الرحمان مبارکپوری' مولانا شمس الحق عظیم آبادی' مولانا سید احمد دہلوی' مولانا ابو سعید شرف الدین دہلوی' مولانا عبد

الوہاب دہلوی اور مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی وغیرہ شامل ہیں۔

مولانا حافظ محمد لکھوی نے لکھو کے میں اور علمائے غزنویہ نے امرتسر میں دینی مدارس قائم کئے اور دین اسلام کی نشرو اشاعت اور قرآن و حدیث کے فروغ کے لئے جو کارہائے نمایاں سر انجام دیئے وہ ہماری تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ ان کے علاوہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں اہلحدیث کے بہت سے مدارس تھے۔ جنہوں نے تدریسی سلسلہ میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

اس کے بعد میں نے علامہ صاحب سے فرمایا کہ علمائے اہل حدیث کی تصنیفی خدمات پر کچھ روشنی ڈالئے تو علامہ شہید نے فرمایا:

علمائے اہل حدیث نے جو تصنیفی خدمات سرانجام دیں ہیں۔ ان سے برصغیر کا ہر اہل علم بخوبی واقف ہے۔ محی السنہ مولانا سید نواب صدیق حسن خان' مولانا شمس الحق عظیم آبادی' مولانا عبد الرحمان مبارکپوری' مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی' مولانا محمد جونا گڑھی' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی' مولانا ابو الکلام آزاد' مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری' مولانا عبد اللہ روپڑی' مولانا محمد سعید بنارسی' مولانا ابو القاسم بنارسی' مولانا محمد اسماعیل السلفی' مولانا حنیف ندوی' مولانا عبد المجید خادم سوہدروی' مولانا امام خان نوشہروی اور مولانا عطاء اللہ حنیف قابل ذکر ہیں۔

ان علمائے کرام نے ایک طرف تو قرآن و حدیث کی حمایت میں بے شمار کتابیں لکھیں۔ مسلک اہلحدیث کی تائد میں بھی کتابیں لکھیں اور ادیان باطلہ یعنی قادیانیت' آریہ سماج اور عیسائیت کی تردید میں بھی بے شمار کتابیں لکھیں۔

اس کے بعد میں نے علامہ صاحب سے کہا کہ تحریک اہل حدیث پر بھی مختصر سی روشنی ڈالئے۔ تو علامہ صاحب نے فرمایا:

ہماری تحریک میں تین دور ہیں۔

پہلا دور تو درس و تدریس کا ہے۔ اس پر تو مختصر روشنی ڈال چکا ہوں۔

دوسرا دور تصنیفی دور کہلاتا ہے۔ اس پر بھی مختصر بتا چکا ہوں۔ تیسرا دور مجاہدانہ کارنامے ہیں اور اس سلسلے میں علمائے صادق پور نے جو قربانیاں دیں اس سے آپ بخوبی واقف ہوں گے۔

مولانا شاہ اسماعیل شہید' مولانا ولایت علی عظیم آبادی' مولانا عنایت اللہ عظیم آبادی' مولانا یحیی علی عظیم آبادی نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں اس سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ مولانا غلام رسول مہر نے سید احمد شہید لکھ کر عظیم علمی خدمت سرانجام دی ہے اور اس کے بعد جماعت مجاہدین اور سرگزشت مجاہدین کتابیں بھی لکھیں۔ ان کے مطالعہ سے آپ کو تحریک اہلحدیث کے مجاہدانہ کارناموں سے مکمل واقفیت حاصل ہو گی۔

اس کے بعد میں نے علامہ صاحب سے کہا۔ آپ نے مولانا ثناء اللہ امر تسری اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی کا زمانہ تو نہیں دیکھا مگر مولانا سید محمد داؤد غزنوی' مولانا حافظ محمد گوندلوی' مولانا محمد اسماعیل السلفی' مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کو قریب سے دیکھا ہے۔ ان حضرات کے بارے میں اپنے تاثرات بیان فرمائیں۔

علامہ شہید نے فرمایا:

میں نے مولانا ثناء اللہ مرحوم اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کا زمانہ نہیں پایا۔ مگر ان کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے۔ ان ہر دو حضرات نے اسلام کی نشرو اشاعت' قرآن و سنت کی ترقی و ترویج اور شرک و بدعت کی تردید و توبیخ اور ادیان باطلہ کی سرکوبی میں جو نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالی ان کو نجات دے دے گا۔

مولانا محدث گوندلوی کے بارے میں علامہ صاحب نے فرمایا کہ مولانا حافظ محمد گوندلوی میرے استاد بھی ہیں اور سسر بھی۔ میں ان جیسا صاحب علم' صاحب تحقیق اور صاحب ورع و تقوی عالم نہیں دیکھا۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان

کی نگاہ یکساں تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، علم معقول منقول پر ان کی نظر وسیع تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

مولانا محمد اسماعیل السلفی کے بارے میں علامہ صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد اسماعیل السلفی کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ بیک وقت مفسر قرآن، محدث، فقیہ، مورخ، ادیب، دانش ور، نقاد، مصنف، متکلم، معلم، خطیب و مقرر تھے اور اللہ تعالیٰ کم ایسے لوگ پیدا کرتا ہے جو بیک وقت ان تمام خوبیوں کا مجموعہ ہو۔ تقریر میں مولانا محمد اسماعیل اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ کوئی سیاسی موضوع دیا جائے تو اس پر بھی بڑے اچھے پیرائے میں اظہار کرتے۔ کوئی علمی عنوان دیا جائے تو اہل علم ان کی تقریر سن کر عش عش کر اٹھیں اور اگر کوئی تاریخی عنوان دیا جائے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ تاریخ سے زیادہ واقفیت رکھنے والا کہیں اور نظر نہیں آیا۔

عجب آزاد مرد تھا خدا مغفرت کرے

مولانا سید محمد داؤد غزنوی ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ خاندان غزنویہ نے برصغیر میں اسلام کی نشر و اشاعت توحید و سنت کی ترقی و ترویج اور شرک و بدعت کی تردید و توبیخ میں جو کارنامے سرانجام دیئے وہ تاریخ اہلحدیث کا ایک درخشندہ باب ہے۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی دینی، علمی، قومی و ملی اور سیاسی خدمات سے کس کو انکار ہے۔ کانگرس، جمیعت العلماء، مجلس احرار اور مسلم لیگ میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ ان جماعتوں میں مولانا داؤد غزنوی کا کیا مقام تھا؟ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ان جماعتوں میں ان کی رائے کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ جماعت اہل حدیث کی ترقی و ترویج اور اس جماعت کو فعال بنانے میں ان کی بہت سعی و کوشش بہت زیادہ ہے۔

مولانا داؤد غزنوی جہاں ایک دینی، ملی و سیاسی رہنما تھے وہاں عبادت و ریاضت، تقوی و طہارت، زہد و ورع میں بے مثال تھے۔ بہت سی خوبیوں کے

مالک تھے۔ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے۔

مولانا عطاء اللہ حنیف کے بارے میں علامہ صاحب نے یوں اظہار خیال کیا کہ :

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف دیکھنے میں ایک درویش صفت آدمی ہیں۔ مگر علم کا سمندر ہیں۔ ان کا علمی مطالعہ بہت بلند ہے۔ حدیث اور اسماء الرجال پر ان کی نظر وسیع ہے۔ مطالعہ کا بہت عمدہ ذہن رکھتے ہیں اور کتابوں کے جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ اپنا پیٹ کاٹ کر کتابیں خریدتے ہیں۔ اعلی پایہ کے مدرس و محقق ہیں۔ ان کے علمی تبحر کا اندازہ اور حدیث میں وسعت نظر ان کی کتاب التعلیقات السلفیہ سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ حواشی امام احمد بن حنبل' حواشی امام ابو حنیفہ اور حواشی امام ابن تیمیہ ان کے علمی شاہکار ہیں۔ ملکی سیاست میں پوری طرح باخبر ہیں مگر اس کا اظہار بہت کم کرتے ہیں۔ زیادہ وقت علمی کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ جماعت اہلحدیث کی تاریخ سے پوری طرح باخبر ہیں اور جماعت پر جو مدو جزر آئے ان سے پوری طرح آگاہ ہیں اور اس سلسلہ میں بھی زیادہ تر خاموش رہتے ہیں۔ بوقت ضرورت اظہار خیال کرتے ہیں۔

علمائے اہل حدیث کے علاوہ دیوبندی اور بریلوی مسلک کے علمائے کرام بھی مولانا کے فضل و کرم کے معترف ہیں۔

اس کے بعد مسجد سے بلاوا آگیا کہ اب علامہ صاحب کی تقریر کا وقت ہو گیا ہے۔ چنانچہ یہ علمی مجلس ختم ہوئی اور علامہ صاحب مسجد میں تقریر کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ علامہ صاحب نے سیرت نبوی ﷺ پر تقریر کی۔ سامعین کی تعداد علامہ صاحب کے حساب سے کم تھی اور اس کا اظہار علامہ صاحب نے تقریر کرنے سے پہلے کیا تاہم علامہ صاحب نے حاضرین کی کمی کی وجہ سے ایک گھنٹہ تقریر کی اور تقریباً گیارہ بجے جلسہ ختم ہوا اور علامہ صاجب مولوی نذیر احمد سبحانی کے ہمراہ رات ہی کو لاہور تشریف لے گئے۔